حالت امن کے قواعد کلیہ

(فقہائے کرام کی آراء کی روشنی میں)

Shari'ah Maxims Relating to peace (In the light of the views of Muslim Jurists)

حافظ محمد الطاف *

ڈاکٹر حافظ عبد الباسط خان **

Abstract:

The value of Shari'ah Maxims is realized all over the world. These maxims keep a superlative significance over all legal maxims as their sources are based on Qur'ān and Sunnah that is the real source of islamic law.Shari'ah Maxims such a important subject of islamic law that simplifies the interpretation of shari'ah.If the Shari'ah Maxims are inculcated and conceived properly then there is no need to burn midnight oil in learning the large number of sub-titles of Shari'ah.The fiqh defines the Shari'ah Maxims as the principles organized.

This article explores the Four important Shari'ah Maxims relating to peace and ethics of a muslim state towards its non-muslim residants.It includes the meanings,arguments and real life examples about these maxims. These maxims are:(الذمی من اھل دارنا کالمسلم*)Zimmies are considered equalent to the muslims of state.(* الامر بیننا وبین الکفار مبنی علی المجازاۃ*)The relations between muslims and non-muslims countries are based on equality.(* ان حرمۃ قتل المستامن من حق اللہ

* ریسرچ سکالر، پی ایچ۔ڈی، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

** اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

(تعالی)Those who have the entry into the muslim state with permit and peaceful intention,must be protected and neither be killed nor be harmed.(عبارة الرسول كعبارة المرسل)Any ambassador of the state will be considered the real representative of the sender who can completely deal all the things on behalf of his sender.Today it's the dire need of the time to implement these Shari'ah Maxims generaly for the humanity and especially for Muslims Countries to solve the critical issues,because today the world needs peace the most as it was needed never before.

قواعد کلیہ کا مضمون اسلامی شریعت کا ایک ایسا اہم مضمون ہے کہ جس کے ذریعے شریعت کے احکام اور معاملات کا ادراک بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔چند الفاظ کے ذریعے مشکل سے مشکل معاملات میں عرق ریزی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔دنیا بھر کے قوانین میں قواعد کلیہ کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔فقہ اسلامی میں پائے جانے والے قواعد کلیہ کی تخریج اور استنباط چونکہ قرآن وسنت اور اس کے ذیلی مآخذ ومصادر پر مبنی ہے اس لئے یہ قواعد کلیہ دنیا بھر کے قانونی ضابطوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ: "الفقہ فرق وجمع"[1] "ایک جیسے احکام کو جمع کرنا اور ان کے درمیان پائے جانے والے فرق کو نمایاں کرنا فقہ کہلاتا ہے"۔جبکہ بعض کے نزدیک"الفقہ معرفة النظائر"[2] "فقہ شرعی نظائر کو جاننے کا نام ہے"۔تو گویا فقہ کے بارے میں جو ارشاد گرامی ہے: ''من يريد الله به خيراً يفقه في الدين[3] وہ قواعد کلیہ کے متخصص علماء پر بھی منطبق ہوتا ہے اور وہ بھی اس فضیلت میں شامل ہوتے ہیں۔ فقہ اسلامی میں قواعد کلیہ کی اہمیت و افادیت کے سلسلے میں القرافیؒ (م ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء) لکھتے ہیں:

"وهذه القواعد مهمة في الفقه عظيمة النفع وبقدرا النفع عظيمة النفع وبقدر لا لاحاطة بهما يعظم وبقدرا يعظم قدر قدر الفقه ويشرف ويظهر رونق الفقه ويعرف تتضح مناهج الفتاوي وتكشف تنافس العلماء وتفاضل الفضلاء وبرز القارح على الجذع وحاز قصب السبق من فيها برع ومن جعل يخرج الفروع بالمناسبات الجزئية دون القواعد الكلية تناقضت عليه الفروع واختلفت

وتزلزلت خواطره فيها واضطربت وضاقت نفسه لذلک وقنطت واحتاج الى حفظ الجزئيات التى لا تتناهى"[4]

یعنی فقہ اسلامی میں قواعد کلیہ کی بہت زیادہ اہمیت ہے کوئی فقیہ جتنا ان پر حاوی ہوتا ہے اتنی ہی اس کی قدر و منزلت بڑھتی ہے۔فتویٰ دینے میں مختلف اسلوب اس پر واضح ہوتے ہیں۔علماء ان میں مسابقت کرتے ہیں اور جو قواعد کلیہ کو چھوڑ کر جزئیات کی مناسبت سے احکام مرتب کرتا ہے اس پر فروعی احکام میں پائے جانے والے اختلافات مشتبہ ہو جاتے ہیں، اس کے خیالات مضطرب ہو جاتے ہیں اور وہ لا متناہی جزئیات یاد کرنے کا محتاج بن جاتا ہے۔اس کے مقابلے میں وہ شخص جو فقہی قواعد کو ضبط کرتا ہے وہ کثیر تعداد میں جزئیات یاد کرنے سے مستغنی ہو جاتا ہے۔"

اپنی دوسری کتاب "الذخیرۃ" میں لکھتے ہیں "فان كل فقه لم يخرج على القواعد فليس بشئى"[5] یعنی "ہر وہ فقہ جس کی تخریج قواعد کے مطابق نہ ہوئی ہو وہ کسی کام کی نہیں۔"

امام سیوطیؒ (م۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"اعلم أن فن الأشباه والنظائر فن عظيم به يطلع على حقائق الفقه ومداركه ومآخذه وأسراره ويتمهر في فهمه واستحضاره ويقتدر على الإلحاق والتخريج ومعرفة أحكام المسائل التي ليست بمسطورة والحوادث والوقائع التي لا تنقضي على ممر الزمان"[6]

یعنی اشباہ و نظائر کا علم ایک عظیم فن ہے۔اس سے فقہی حقائق، مفاہیم، مآخذ اور اسرار و رموز پر اطلاع ہوتی ہے اور اسی فن سے فقہی فہم میں مہارت اور اس کے مسائل کا استحضار رہتا ہے۔وہ مسائل جو ضبط تحریر میں نہیں آ سکتے اور ایسے حادثات و واقعات جو گردش زمانہ سے ختم نہیں ہوتے ان کے احکام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیۃ کے مرتبین نے جہاں مجلّہ میں معاملات سے متعلقہ مسائل و احکام مرتب کیے، وہاں انھوں نے ننانوے دفعات پر مشتمل قواعد کلیہ بھی بیان کیے ہیں جن کی اہمیت و افادیت کے سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:

"ان المحققين من الفقهاء قد أرجعوا المسائل الفقهية الى قواعد كلية كل منها ضابط وجامع لمسائل كثيرة وتلک القواعد مسلمة معتبرة فى الكتب الفقهية تتخذ ادلة لأثبات المسائل وتفهمها فى بادئ الامر يوجب الاستئناس بالمسائل ويكون وسيلة لتقررها فى االأذهان "[7]

یعنی محققین فقہاء نے مسائل فقہیہ کو قواعد کلیہ کے تحت درج کیا ہے۔ان میں سے ہر ایک قاعدہ ایک ضابطہ ہے جو بہت سے مسائل کا جامع ہے۔یہ قواعد کلیہ فقہی کتب میں بڑے معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ مسائل کے حل کے لئے انھیں بطور دلیل مانا جاتا ہے۔ابتدائی طور پر مسائل سے مانوس ہونے اور انھیں ذہن نشین کرنے کے لئے یہ قواعد وسیلہ بنتے ہیں۔

قواعد کلیہ چونکہ فقہی احکام و جزئیات پر مشتمل ہوتے ہیں اس لیے ان کے دائرہ کار اور وسعت پذیری میں فقہی ادب کا بہت زیادہ عمل دخل رہا ہے۔انسانی زندگی کے جملہ شعبوں سے متعلق جیسے قرآن وحدیث اور کتب فقہ میں احکام پائے جاتے ہیں ایسے ہی ان احکام پر مشتمل قواعد کلیہ کا ذخیرہ بھی پایا جاتا ہے زمانے کی گردش کے ساتھ ساتھ ان دونوں شعبوں میں ترقی لازم و ملزوم ہے۔قرآن مجید، کتب احادیث اور فقہاء کرام کی کتب میں بیان کردہ قواعد کلیہ کی ابواب بندی کی جائے تو انہیں فقہی احکام کی طرح بڑے بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے لیکن موضوع کی مناسبت سے اور صفحات کی تنگی کے پیش نظر علم السیر کے تحت حالت امن کے چند قواعد کلیہ کا فقہائے کرام کے استنباط اور تطبیقات کی روشنی میں مختصر جائزہ لیا جاتا ہے کیونکہ اسلام کے خارجہ تعلقات کی بنیاد امن ہے جنگ نہیں ہے نیز پوری دنیا کو اس وقت امن و صلح کی جو ضرورت درپیش ہے تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔

مناسب ہوگا کہ ان قواعد کے اطلاق اور ان سے متعلق امور سے قبل قواعد کلیہ اور علم السیر کا مفہوم سمجھا جائے تاکہ ان کی عملی صورتیں اور تطبیقات باآسانی سمجھ میں آسکیں۔

قاعدہ کی لغوی تعریف:

قاعدہ کی جمع "قواعد" ہے اور اسکا لغوی معنی مختلف مطالب کے ساتھ کیا گیا ہے۔متعدد علماء نے قاعدہ کا معنی اساس اور بنیاد (Base) بیان کیا ہے[8] صاحبِ تاج العروس امام زجاجؒ کے حوالے سے قواعد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقال الزجاج القواعد اساطين البناء التى تعمده"[9] "قواعد سے مراد عمارت کی وہ بنیادیں ہیں جن پر وہ عمارت قائم ہوتی ہے۔"

ابن منظور افریقیؒ کے ہاں بھی اس سے مراد اساس اور بنیاد ہے وہ لکھتے ہیں: " وقواعد الهودج خشبات اربع معترضة فى اسفله تركب عيدان الهودج فيها"[10]

"ھودج کے قواعد سے مراد نیچے کو لٹکی وہ چار لکڑیاں ہیں جن میں ہودج کی باقی لکڑیاں پیوست ہوتی ہیں۔"

اسی طرح قرآن مجید میں بھی لفظ "قاعدہ" اساس اور بنیاد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

{وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ}[11]

"اور ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کیے جاتے تھے کہ) اے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔"

{فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ}[12]

"خدا (کا حکم) ان کی عمارت کے ستونوں پر آ پہنچا اور چھت ان کے اوپر سے گر پڑی۔"

قاعدہ کی اصطلاحی تعریف:

علماء نے قاعدہ کی اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ میں بیان کی ہے۔امام جرجانیؒ کے الفاظ ہیں:

"فهي قضية كلية منطبقة على جميع جزئياتها"[13] "قاعدہ سے مراد ایسا کلی معاملہ ہے جسکا اپنی تمام جزئیات پر اطلاق ہوتا ہو"

امام تفتازانیؒ قاعدہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"حكم كلي ينطبق على جميع جزئيات ليتعرف احكامها منها"[14] "ایسا کلی حکم جو اپنی جزئیات پر اس طرح صادق آتا ہو کہ اس سے اسکے تمام احکام معلوم ہو جائیں قاعدہ کہلاتا ہے"

محمد علی تھانویؒ قاعدے کی تعریف تفصیل کے ساتھ بیان کرتے یوں لکھتے ہیں:

"هی فی اصطلا ح العلماء تطلق علی معان مترادف الاصل والقانون والمسألة والضابطة والمقصدوعرف بانها امر کلی منطبق علی جمیع جزئیاته عند تعرف احکامها منه وانه یظهر لما تتبع موارد الاستعمالات ان القاعدة هی الکلیة التی یسهل تعرف الجزئیات منها"[15]

"علماء کی اصطلاح میں لفظ قاعدہ کا اطلاق اصل ، قانون ،مسئلہ،ضابطہ اور مقصد جیسے مترادف معانی پر ہوتا ہے اور اسکی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ یہ ایسا کلی معاملہ ہے جو اپنے احکامات کی معرفت کے اعتبار سے اپنی تمام جزئیات پر صادق آتا ہے۔۔۔اور جو اسکے استعمالات کے موقع کی جستجو میں رہتا ہے

اس پر یہ واضح ہوتا ہے کہ قاعدہ ایسا کلی معاملہ ہے کہ اسکے ذریعے اسکے جزئیات کے احوال کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔"

امام حموی شارح الاشباہ والنظائر قاعدے کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"حکم اکثری لاکلی ینطبق علی اکثر جزئیاته لتعرف احکامها منه "[16]

" قاعدہ حکم اکثری ہے نہ کہ کلی جسکا اپنی اکثر جزئیات پر اطلاق ہوتا ہو اور اس سے فقہی احکام معلوم ہو سکیں"

درر الحکام فی شرح مجلة الاحکام میں یوں لکھا ہے:"هو الحکم الکلی اوالاکثری الذی یراد به معرفة حکم الجزئیات"[17]

" قاعدہ وہ کلی یا اکثری حکم ہے جسکا مقصد یہ ہو کہ اسکے ذریعے جزئیات کا حکم معلوم کیا جاسکے۔"

امام تاج الدین سبکیؒ قاعدہ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"هی الامر الکلی الذی ینطبق علیه جزئیات کثیرة تفهم احکامها منها"[18]

"یہ وہ کلی معاملہ ہے جس پر ایسی بہت سی جزئیات کا انحصار ہو جنکے ذریعے انکے احکام سمجھے جا سکیں"

قانون جدید میں قاعدہ کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

"Maxims: A tradational legal principle that has been frozen into a concise expression."[19]

یعنی ایسا ایک قانونی اصول جو کہ متفقہ معنی کے لئے محاورہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہو۔

اس تعریف کے مطابق قاعدہ ویسے تو ایک محاورہ یا ضرب المثل ہے مگر اسکی اہمیت کو اگر دیکھا جائے تو یہ ایک مکمل قانونی ضابطہ کی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر عدالتوں میں فیصلے بھی کئے جاتے ہیں۔مذکورہ بالا تعریفات قاعدے کی عام اصطلاح کو واضح کرتی ہیں جبکہ یہ اصطلاح تمام علوم میں جاری ہوتی ہیں۔ان تعریفات میں جو چیز مشترک طور پر پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ قاعدہ وہ اصول یا مقولہ (Maxim) ہے جس کے کہنے سے بہت سی باتیں اور شرعی احکام سمجھ میں آجائیں۔یہ تعریفات ان لوگوں کے لئے تو مفید علم ہیں جن کے ذہنوں میں پہلے سے قواعد کلیہ کا تصور موجود ہے لیکن جو لوگ فقہی قواعد کلیہ کا واضح تصور نہیں رکھتے ان کے لئے محض ان تعریفات سے فقہی قواعد کلیہ کا صحیح تصور حاصل کرنا بہت مشکل ہے ۔اسی وجہ سے بیسویں صدی کے مشہور و معروف فقیہ مصطفیٰ

احمد الزرقاءؒ (م ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) نے قاعدہ کلیہ کی خود ایک تعریف وضع کی ہے جس سے قواعد کلیہ کی حقیقت و ماہیت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے وہ یوں لکھتے ہیں:

"اصول فقهيه كلية فى نصوص موجزة دستورية تتضمن تشريعة عامة فى الحودث التى تدخل تحت موضوعها"[20]

"قواعد کلیہ وہ عمومی فقہی اصول ہیں جنہیں مختصرا قانونی زبان میں مرتب کیا گیا ہو، جن میں ایسے قانونی اور فقہی احکام بیان کیے گئے ہوں کہ جو اس موضوع کے تحت آنے والے حوادث و واقعات کے بارے میں ہوں۔"

السیر کا لغوی معنی:

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے خیال میں اسلام سے پہلے عربوں کے ہاں بین الاقوامی امور کی انجام دہی کے قواعد و ضوابط ان کے عرفی قانون(Customary Law) کا حصہ تو تھے لیکن ان کے ہاں اس کے لئے کوئی الگ سے قانونی نظام نہیں تھا۔ جب مسلمانوں نے ایک ریاست قائم کرلی اور اس ریاست کا ایک قانونی نظام قائم ہوا تو اس نظام کے اس حصہ کو جس کا تعلق جنگ، صلح اور غیر جانبداری کے معاملات سے تھا "السیر" کا نام دیا گیا جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

"Although the pre islamic Arabs had their own international usages,yet they could not have elaborated them into a system.When Islam came and founded of its own,theearlist name given muslim writers to the special branch of the law dealing with war,peace and neutrality seems to have been Siyar."[21]

لفظ "السیر" سیرۃ کی جمع سین کی زیر اور یاء کی زبر کے ساتھ مستعمل ہے۔ لغت میں اس کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ حالت اور طریقہ یا طرز عمل۔

ا۔ حالت:

سیرت اس حالت کو کہتے ہیں جس پر انسان زندگی بسر کرتا ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ حالت طبعی ہو یا اکتسابی جیسے کہا جاتا ہے: "فلان حسن السيرة فلان قبيح السيرة"[22]

"فلاں شخص کی حالت اچھی ہے اور فلاں کی بری ہے" قرآن مجید میں سیرۃ کا لفظ صرف ایک دفعہ وارد ہوا ہے جس میں حالت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {سنعيدها سيرتها الأولى }[23]

"ہم ابھی پھیر دیں گے اس کو پہلی حالت پر۔" بعض اوقات بیٹھنے کی ہیئت اور حالت کے لئے بھی "سیرۃ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔[24]

۲۔ طریقہ یا طرز عمل:

اس کا دوسرا معنی طرز عمل اور رویہ (Way, Manner) بھی ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا، جیسے کہا جاتا ہے:
"فلان محمود السیرۃ وفلان مذموم السیرۃ"[25]

سیر کے اسی دوسرے مفہوم سے متعلق کتب سیرت وحدیث میں بہت سی روایات پائی جاتی ہیں۔ابن ہشام (م ۲۱۳ھ/۸۲۸ء) روایت کرتے ہیں:

"ثم امربلالا ان یدفع الیه اللوأءفدفعه الیه فحمدا لله تعالیٰ وصلی علی نفسه ثم قال خذه یابن عوف اغزوا جمیعا فی سبیل الله فقاتلوا من کفر با لله ولا تغلوا ولاتغدرواولا تمثلوا ولاتقتلوا ولیدا فهذا عهدالله وسیرة نبیه فیکم"[26] پھر رسول اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ پرچم ان (حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ) کے حوالے کر دیں انھوں نے حکم بجالایا۔آپ ﷺ نے پہلے اللہ تعالی کی حمد و ثناء بیان کی پھر درود بھیجا اور فرمایا اے ابن عوف! اس پرچم کو تھام لو اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کرو جو اللہ تعالی کا انکار کرتے ہیں (دوران جنگ مال غنیمت میں) خیانت نہ کرنا، کسی کو دھوکہ نہ دینا، کسی کا مثلہ نہ کرنا اور نہ ہی بچوں کو قتل کرنا، یہ اللہ تعالی کا عہد ہے اور تمھارے لئے اس کے نبی ﷺ کا طریقہ کار۔

ابن حبیبؒ (م ۲۴۵ھ/۸۶۰ء) بھی سیر کے لفظ کو سابقہ بادشاہوں کے رویےاور طرز عمل کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "وکانوا یصنعون فیهاویسیرون فیها بسیرة الملوک بدومة الجندل"[27] "اور وہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے سلسلے میں دومۃ الجندل کے بادشاہوں کا طرز عمل اختیار کرتے تھے"۔کتب حدیث میں بھی سیر کے اسی مفہوم کو اختیار کیا گیا ہے۔چنانچہ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

"قبض رسول الله ﷺ واستخلف ابوبکرفعمل بعمله وسار بسیرته حتی قبضه الله علی ذلک ثم استخلف عمر فعمل بعملهماوسار بسیرتهما حتی قبضه الله علی ذلک"[28] "حضور اکرم ﷺ کا انتقال ہوا تو ابو بکرؓ خلیفہ بنائے گئے انہوں نے آپ ﷺ جیسا عمل کیا اور آپ کے طریقہ کار کو اختیار کیا یہاں تک کہ اسی پر اللہ تعالی نے آپؓ کی روح قبض کی پھر عمرؓ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے ان

دونوں (رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ) کے طرز عمل کو اختیار کیا اور انہیں کے طریقہ کار کو اپنایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اسی پر موت دی۔" بہر حال السیر اور سیرت کے الفاظ قدیم دور سے عربی زبان وادب میں طرز عمل اور طریقہ کار کے مفہوم میں مستعمل ہوتے رہے ہیں۔

السیر کا اصطلاحی معنی:

السیر کے اصطلاحی معنی کے بارے میں امام سرخسیؒ (۴۹۰ھ/۱۰۹۷ء)[29] لکھتے ہیں:

"اعلم إن السير جمع سيرة وبه سمي هذا الكتاب لانه بين في سيرة المسلمين في المعاملة مع المشركين من اهل الحرب ومع أهل العهد منهم من المستأمنين وأهل وأهل الذمة ومع المرتدين الذين هم اخبث الكفار بالانكار بعد الاقرار ومع اهل البغي الذين حالهم دون حال المشركين وان كانوا جاهلين وفى التاويل مبطلين""[30]

"جان لیجئے کہ لفظ "سیر" سیرۃ کی جمع ہے اور اسی نام سے یہ کتاب موسوم ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کے اس طرز عمل کا بیان ہے جو وہ مشرکین میں سے اہل حرب کے ساتھ روا رکھتے ہیں نیز وہ جو معاہدین میں سے مستامنین اور اہل ذمہ کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔اسی طرح مرتدین کے ساتھ جو اسلام کا اقرار کرنے کے بعد انکار کر بیٹھتے ہیں اور کفار میں سے خبیث ترین مخلوق بن جاتے ہیں اسی طرح اس میں باغیوں سے معاملہ کرنے کا ذکر ہوتا ہے جن کا حال مشرکین جیسا تو نہیں البتہ تاویل باطل کی بناء پر جاہل ضرور بن جاتے ہیں۔"

مذکورہ بالا تعریف اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک جامع تعریف کہی جاسکتی ہے کیونکہ اس میں سیر کی حدود و قیود کو متعین کر دیا گیا ہے۔اس تعریف میں جہاں دیگر اقوام سے حالت جنگ میں مسلمانوں کے طرز عمل کا ذکر ہے تو دوسری طرف حالت امن میں معاہدات کرنے والی قوموں سے معاملات طے کرنے کا تذکرہ بھی موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ حالت جنگ وامن میں دیگر اقوام سے پیش آمدہ معاملات طے کرنا سیر کہلاتا ہے۔ نیز مسلمانوں کا اگر کوئی گروہ ارتداد اختیار کرنے کے بعد یا بغاوت کے بعد کسی علاقے پر قبضہ کر کے اسلامی حکومت اور ریاست کے خلاف بر سر پیکار ہو جائے تو اسکے ساتھ جنگ کرنا یا دیگر معاملات طے کرنا اسی قانون سیر میں داخل ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ السیر کی اصطلاحی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں:

"اصطلاحی اعتبار سے سیر سے مراد مسلمانوں کا وہ طرز عمل اور رویہ ہے جو ان کو غیر مسلموں سے تعلقات، جنگ و صلح، دوسری ریاستوں سے میل جول اور دیگر بین الاقوامی یا بین الممالک اداروں یا افراد سے لین دین میں اپنانا چاہیے۔"[31]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بین الاقوامی اسلامی قانون کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ قانون اصل میں سلطنتوں کے آپس کے تعلقات کے متعلق ہوتا ہے۔"[32]

آپ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

"The part of law and custom of the land and treaty obligations which amuslim de-fecto or de-juro state observes in the dealing with other de-fecto or de-juro states."[33]

"کسی علاقے کے قانون، رسم و رواج اور معاہدات وغیرہ کے وہ التزامات جن کی ایکاسلامی ریاست کسی دوسری ریاست کے ساتھ معاملات طے کرتے ہوئے پابندی کرتی ہے۔"

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

"We have emphasized the point that what a Muslims state accepts as such is the Muslim International Law."[34]

"ہم اس نقطے پر زور دے چکے ہیں کہ بین الاقوامی تعامل کے وہ قواعد و ضوابط جنہیں اسلامی ریاست قبول کر چکی ہو وہ بین الاقوامی اسلامی قانون ہے۔"

السیر کے مفہوم سے متعلق آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ السیر کے لغوی معنی رویہ اور طریقہ کے ہیں۔ اس اصطلاح کا استعمال جنگوں میں رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے بیان کے لئے ہوا اور بعد میں رسول اللہ ﷺ کی عمومی زندگی کو بیان کرنا بھی سیرت کہلایا جانے لگا چونکہ بین الاقوامی تعلقات کو منظّم کرنے والے اسلامی قوانین سیرت رسول ﷺ سے ہی مستنبط ہیں اس لئے ان کے لئے فقہ اسلامی میں "السیر" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

بنیادی کتب سیر کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ملک کے اندر اور باہر امن و امان کے قیام اور جنگ و صلح میں غیر مسلم ریاستوں اور قوموں سے معاہدات کے انعقاد کے لئے حکومت کا

ایک ہی ادارہ تمام امور سرانجام دیتا رہا ہے۔ جبکہ عصر حاضر میں سربراہ مملکت کی سرپرستی میں داخلہ، خارجہ ، خزانہ اور دفاع وغیرہ کی وزارتیں اور ادارے تشکیل پا چکے ہیں جو اپنے اپنے دائرہ کار میں کام کرتے ہیں۔

قواعد کلیہ اور علم السیر کے مفہوم کی وضاحت کے بعد اب حالت امن سے متعلق چند قواعد کلیہ کا فقہائے کرام کے استنباط اور تطبیقات کی روشنی میں مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔

حالت امن سے متعلق قواعد کلیہ

پہلا قاعدہ:

"الذمی من اھل دارنا کالمسلم"[35]

"ذمی ہمارے وطن کے مسلمان کی مانند ہے۔"

لغت میں "ذمہ" کے معنی "عہد" کے ہیں۔ جیسے کہ امام جرجانیؒ لکھتے ہیں۔

"الذمۃ: لغۃ العھد"[36] لغوی مفہوم کے اعتبار سے اہل ذمہ کو "اہل العقد" بھی کہا جاتا ہے۔[37] جبکہ فقہی اصطلاح میں "ذمی" اس غیر مسلم باشندے کو کہتے ہیں جس کی جان و مال، عزت و آبرو اور عقیدے کے تحفظ کی ذمہ داری اسلامی ریاست نے اپنے اوپر لے رکھی ہو۔[38]

دلائل:

اہل ذمہ سے متعلق مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ قرآن مجید اور سنت کے حسب ذیل دلائل سے مستنبط شدہ ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

{ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ }[39] "لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں آیت مذکورہ کی روشنی میں ایک معاہدہ اہل تیما کے قبیلہ بنی عادی سے حسب ذیل الفاظ میں کیا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لبنی عادیا ان لھم الذمۃ وعلیھم الجزیۃ"[40]

"شروع اللہ تعالی کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ امان ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنی عادی کے لئے کہ مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں اور وہ ادائے جزیہ کے ذمہ دار ہیں۔"

اس معاہدے میں عقد ذمہ اور جزیے کے علاوہ اہل ذمہ کے دیگر حقوق وفرائض کی وضاحت بھی موجود ہے۔

تطبیقات:

اسلام کے قانون سیر کے مطابق ذمیوں کی تین اقسام ہیں۔۱۔ معاہدین ۲۔ مفتوحین
۳۔ موادعین

۱۔ معاہدین:

معاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ باہمی مشاورت اور مسلمہ شرائط کے تحت تعلقات کی نوعیت اور جملہ حقوق وفرائض کا تعین کر لیا ہو۔

۲۔ مفتوحین:

مفتوحین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے مسلمانوں سے باقاعدہ جنگ لڑی ہو اور شکست کھانے کے بعد اپنے مذہب پر برقرار رہتے ہوئے اسلامی ریاست کے شہری بن جائیں۔

۳۔ موادعین:

موادعین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے جنگ کے دوران بعض شرائط کی بنیاد پر مسلمانوں سے صلح کر لی ہو اسلئے انھیں "اہل صلح" بھی کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں اقسام میں سے ہر ایک شخص کے لئے اگرچہ ذمی کا لفظ بولا جاتا ہے لیکن احکام شرعیہ کے اعتبار سے ان میں تھوڑا بہت فرق موجود ہے جیسے مفتوحین اسلامی ریاست سے وہی حقوق لینے کے حق دار ہوتے ہیں جو اسلامی ریاست اپنی طرف سے ان کے لئے طے کر دے جبکہ اہل صلح اور معاہدین وہ حقوق بھی لینے کے حقدار بن جاتے ہیں جو انھوں نے معاہدے کے تحت ریاست سے اپنے لئے مخصوص کروالئے ہوں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں قبیلہ بنو تغلب نے ذمی بنتے وقت اپنے لئے بعض شرائط منظور کروالیں تھیں۔[41] مذکورہ بالا قاعدے کے مطابق اسلامی ریاست میں مسلمانوں کیطرح ذمیوں کو جو حقوق حاصل ہوتے ہیں ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسلامی ریاست میں ذمی کو مسلمان کی طرح جو سب سے پہلا حق حاصل ہوتا ہے وہ اس کی جان کی حفاظت ہے۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق بلاوجہ کسی شخص کا قتل ساری دنیا کو قتل کر دینے کے مترادف ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا }[42]

" اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو۔"

ایک اور آیت مبارکہ میں ارشاد ہے:

{ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙوَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ }[43]

" اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلہ ان کے برابر پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ اس گناہ سے پاک ہو گا۔" فقہاء کے نزدیک آیت مذکورہ میں ذمی اور مسلمان جان کی حرمت کے اعتبار سے برابر ہیں لہٰذا ان کے قصاص میں ہمیشہ برابری کے پہلو کو مد نظر رکھا جائے گا۔

"والذمي مع المسلم متساويان في الحرمة التي تكفي في القصاص وهي حرمة الدم الثابتة على التأبيد"[44]

اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو اس کا قصاص ویسے ہی لیا جائے گا جیسے کسی مسلمان کا لیا جاتا ہے۔

ذمی کے قتل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"من قتل قتيلا من أهل الذمة لم يجد ريح الجنة و ان ريحها ليوجد من مسيرة اربعين عاما"[45]

"جس نے اہل ذمہ میں سے کسی شخص کو قتل کر دیا تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آرہی ہو گی۔"

امام شافعیؒ اپنی مسند میں ایک روایت نقل کرتے ہیں: "ان رجلا من المسلمین قتل رجلا من اهل الذمۃ فرفع ذلک الی رسول اللہ ﷺ فقال انا احق من اوفی بذمتہ ثم امر بہ فقتل"[46]

"مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو اس کا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں ذمہ کو وفا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں پھر آپ ﷺ نے حکم جاری کیا اور قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔"

حضرت علیؓ کے دور میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کیا تو آپؓ نے قصاص میں اسے بھی قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔ مقتول کے بھائی نے آکر عرض کیا "قد عفوت" "میں نے خون معاف کیا۔ آپؓ نے فرمایا "لعلهم هددوك او فرقوك او فزعوك" شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے۔ اس نے جواب میں کہا "لا ولكن قتله لا يرد على اخي وعوضوني فرضيت" چونکہ اس کے قتل سے میرا بھائی واپس نہیں آئے گا اور مجھے خون بہا دے دیا گیا ہے اس لئے میں اس سے راضی ہوں۔ تو آپؓ نے قاتل کو رہا کر دیا اور ذمی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "انت اعلم من كان له ذمتنا فدمه كدمنا ودیته كديتنا"[47] یعنی تو خوب جانتا ہے کہ جو شخص ہمارا ذمی بن جائے تو اس کا خون ہمارے خون کی مانند اور اس کی دیت ہماری دیت کی مانند ہوتی ہے۔

۲۔ اسلامی ریاست میں مسلمان کی طرح ذمی کا دوسرا حق اس کے مال کی حفاظت ہے۔ امام ابو یوسفؒ ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن ارقمؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں اہل ذمہ سے جزیہ لینے پر مقرر فرمایا۔ جب وہ آپ ﷺ سے رخصت ہو کر جانے لگے تو آپ ﷺ نے انھیں اپنے پاس بلایا اور ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"الا من ظلم معاهدا او كلفه فوق طاقته او انتقصه او اخذ منه شيئا بغير طيب نفسه فانا حجيجه يوم القيامة"[48]

"خبردار جس کسی نے ذمی پر ظلم کیا یا اس کی طاقت سے بڑھ کر اسے تکلیف دی یا اس کا نقصان کیا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس کی چیز لی تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔" حضرت علیؓ کا قول ہے: "انما بذلو االجزية لتكون دماءهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا"[49]

"ذمی جزیہ کی ادائیگی اسلئے کرتے ہیں تاکہ ان کے خون ہمارے خون اور ان کے مال کی حفاظت ہمارے مالوں کی طرح ہو جائے۔"

ابن قدامہؒ (م۶۲۰ھ/۱۲۲۳ء) لکھتے ہیں: "ان عصمة مال الذمی كعصمة مال المسلم بدليل قطع سارقة سواءكا ن مسلماو ذميا ووجوب ضمانه وتحريم تملک ماله"[50]

"ذمی کے مال کا تحفظ مسلمان کے مال کی طرح ہے جس کی دلیل چور کا ہاتھ کاٹنا ہے خواہ اس میں کوئی مسلمان ملوث ہو دونوں کے لئے ایک جیسا ہی قانون ہے کہ اس کے مال کو ضائع کرنے والے پر تاوان لازم آتا ہے اور اس کے مال پر زبردستی قبضہ کرنا حرام ہے۔"

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی مسلمان ذمی کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔[51] تجارت کے معاملے میں ذمی کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو کسی عام مسلمان کو حاصل ہوتے ہیں۔ بلکہ ذمی اگر شراب اور سور کا کاروبار شروع کرے تو اسے یہ حق حاصل ہے جو کہ مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کی شراب یا اس کے سور کو نقصان پہنچائے تو اس پر تاوان لازم آئے گا۔ امام حصکفیؒ (م ۱۰۸۸ھ/۱۶۷۷ء) لکھتے ہیں:

"ویضمن المسلم قیمۃ خمرہ وخنزیرہ اذا اتلفہ"[52] "اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کی شراب اور خنزیر کو تلف کرے گا تو اس پر ضمان آئے گا۔"

۳۔ اسلامی ریاست میں ذمی کو مسلمان کی طرح تیسرا حق اس کی عزت وآبرو کی حفاظت ہے۔ اگر کوئی مسلمان یا ذمی کسی ذمیہ عورت سے زنا کرے تو وہ اسی طرح کا مجرم تصور ہوگا جیسا کسی مسلمان سے زنا کرنے والا ہوتا ہے اور اس کی سزا وہی ہے جو کسی مسلمان سے زنا کرنے میں ہوتی ہے۔[53]

۴۔ اسلامی ریاست کے قانون سیر میں ذمیوں سے سماجی تعلقات رکھنے میں کسی قسم کی تفریق نہیں رکھی گئی۔ بلکی انھیں قریب کرنے کے لئے خوش رکھنا، صلہ رحمی کرنا، تحفے تحائف دینا، خوشی غمی میں شریک کرنا شریعت اسلامیہ میں مطلوب ومقصود چیز ہے اور ان سے اچھے کاموں میں تعاون کرنا شرعی حکم ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

{لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ}[54]

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا خدا تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ان کی والدہ انھیں ملنے کے لئے مدینہ منورہ آئیں جو کہ مشرکہ تھیں۔ تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی ملاقات کا پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "نعم صلی امک"[55] ہاں تم اپنی ماں سے صلہ رحمی سے پیش آؤ۔

غزوہ حنین کے غنائم میں سے رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ کو تین سو اونٹ تحفے میں دیئے تھے جو اس وقت کافر تھے۔ "عن صفوان بن أمية : قال أعطاني رسول الله صلى الله عليه و سلم يوم حنين وإنه لأبغض الخلق إلي فما زال يعطيني حتى إنه لأحب الخلق إلي"[56]

"خدا کی قسم حضور اکرم ﷺ نے مجھے جو عطا فرمانا تھا وہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ لوگوں میں سے مجھے ناپسندیدہ ترین تھے پھر میرے محبوب ترین شخص بن گئے۔"

الغرض مذکورہ بالا دلائل کی بنیاد پر مسلمان کی طرح ذمی کی دعوت قبول کرنا، اس کے سلام کا جواب دینا، بیع وشراء کا معاملہ کرنا، بیماری میں عیادت کرنا اور وفات پر اس کے اعزہ سے تعزیت کرنا مسلمان کے فرائض میں سے ہے۔

دوسرا قاعدہ:

"الامر بیننا وبین الکفار مبنی علی المجازاۃ"[57]

"ہمارے اور کفار کے درمیان تعلقات مجازات (برابری) کی بنیاد پر قائم ہونگے۔"

"مجازاۃ" جزا اور بدلے (Reciprocity) کو کہتے ہیں۔ ہر وہ بدلہ جس میں مساوات اور برابری کا مفہوم پایا جائے خواہ اس کا تعلق

اچھائی سے ہو یا برائی سے ہو مجازات کہلاتا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

"جزیتہ کذا بکذا یعنی میں نے فلاں کو اس کے عمل کا ایسا بدلہ دیا۔"[58]

دلائل:

مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ قرآن مجید اور سنت کے حسب ذیل دلائل سے مستنبط شدہ ہے۔

قرآن مجید میں جزا کا لفظ ان دونوں معنوں کو شامل ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

{وَجَزٰهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَّحَرِيرًا}[59]

"اور انکے صَبر کے بدلے ان کو بہشت (کے باغات) اور ریشم (کے ملبوسات) عطا کریگا"

اسی طرح برے اور غلط کام کے بدلے کے متعلق فرمان الٰہی ہے:

{ وجزؤا سيئة سيئة مثلها ۚ فمن عفا واصلح فاجره علي الله }[60]

"اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کر دے تو اسکا بدلہ خدا کے ذمے ہے۔"

ایک دفعہ حضرت عمرؓ سے ایک شخص نے عشر کے متعلق پوچھا:

"كم نأخذ من تجار أهل الحرب فقال كم يأخذون منا فقال هم يأخذون منا العشر فقال خذ منهم العشر فقد جعل الأمر بيننا وبينهم مبنيا على المجازاة"[61] یعنی ہم اہل حرب کے تاجروں سے کتنا ٹیکس وصول کریں؟آپؓ نے پوچھا وہ ہم سے کتنا وصول کرتے ہیں مذکورہ شخص نے جواب دیا کہ وہ ہم سے عشر (دس فیصد) وصول کرتے ہیں تو آپؓ نے جواب دیا کہ تم بھی ان سے عشر ہی وصول کرو کیونکہ ہمارے اور کفار کے درمیان تعلقات مجازات (برابری) کی بنیاد پر قائم ہونگے۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے مجازات کے اخروی اور اعتقادی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کے ظاہری اور معاملاتی پہلو کو بھی واضح کیا ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم ممالک سے جنگ اور مصالحت جیسے تمام معاملات اس اصول کے تحت حل کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ذیل کی آیات مبارکہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

{ وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا ۚ ان الله لا يحب المعتدين }[62]

"اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

{ الشهر الحرام بالشهر الحرام والحرمت قصاص. فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم }[63]

"ادب کا مہینہ ادب کے مہینے کے مقابل ہے اور ادب کی چیزیں ایک دوسرے کا بدلہ ہیں، پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔"

{ وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل علي الله انه هو السميع العليم }[64]

"اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو۔ کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سنتا (اور) جانتا ہے۔"

{ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ}[65]

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا خدا تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم ممالک سے دوطرفہ تعلقات کے قیام میں جس چیز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے وہ مساوات اور برابری کا اصول ہے جسے بین الاقوامی دنیا بھی ایک اہم اصول کے طور پر تسلیم کرتی ہے۔[66]

تطبیقات:

۱۔ ہر ملک اپنے عوام کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے دیگر ممالک سے تجارتی لین دین کرتا ہے۔ تجارت کے اس لین دین میں غیر ملکی تاجروں پر اسی قاعدے کے تحت ٹیکس لگایا جاسکتا ہے۔ یعنی جو ملک اسلامی ریاست کے تاجروں سے جس تناسب سے ٹیکس وصول کرے اور مراعات دے اسی تناسب سے اس ملک سے آنے والے تاجروں سے ٹیکس وصول کیا جائے گا اور مراعات دی جائیں گی۔

امام سرخسیؒ مذکورہ قاعدے کے تناظر میں لکھتے ہیں:

"إن كانوا يأخذون منا الخمس أخذنا منهم الخمس وإن كانوا يأخذون منا نصف العشر أخذنا منهم نصف العشر وإن كانوا لا يأخذون منا شيئا فنحن لا نأخذ منهم شيئا "[67]"اگر وہ ہم سے خمس (بیس فیصد) وصول کریں تو ہم بھی ان سے خمس (بیس فیصد) وصول کریں گے۔ اگر وہ ہم سے نصف عشر (پانچ فیصد) وصول کریں تو پھر ہم بھی ان سے نصف عشر (پانچ فیصد) وصول کریں گے۔ اگر وہ ہم سے کچھ بھی وصول نہ کریں تو ہم بھی ان سے کچھ وصول نہ کریں گے۔"

البتہ اگر کسی ملک سے اسلامی ملک کے نئے نئے سفارتی تعلقات قائم ہوئے ہوں اور اس کے تاجر مال تجارت لے کر آجائیں اور معلوم نہ ہو کہ وہ ہمارے تاجروں کے مال پر کس شرح سے ٹیکس لیں گے تو اس صورت حال میں دنیا بھر میں رائج عام ٹیکس ہی لیا جائے گا اور اگر کوئی ملک مسلمان تاجروں کے

تھوڑے سے مال پر بھی ٹیکس لینا شروع کر دے تو درج بالا قاعدے کے مطابق اسلامی ریاست اس ملک کے تاجروں سے ایسا ہی معاملہ کرے گی۔

"إن کانوا یأخذون من تجارنا من قلیل المال وکثیرہ فلذلک نأخذ منہم من قلیل وکثیرہ"[68]

۲۔ اگر کوئی غیر مسلم ملک اسلامی ریاست سے سفارتی تعلقات قائم کرنا یا توڑنا چاہے یا توڑنے کے بعد دوبارہ بحال کرنا چاہے تو اسلامی ریاست فریق ثانی کے رویے کی بنیاد پر فیصلہ کرے گی نیز اسی قاعدے کے تحت سفارتی عملے کی تعداد، پروٹوکول اور دیگر مراعات بھی طے کی جائیں گی۔

۳۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اسلامی ریاست صرف معروف باتوں میں برابری اور مساوات کی پابند ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم ملک اسلامی ریاست کے سفیر کے ساتھ دھوکا دہی کا معاملہ کرے تو پھر اسلامی ریاست کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے۔ امام سرخسیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"لا رخصة في غدر الأمان وما يفعلونه برسلنا بعد الشرط غدر منهم وبغدرهم لا يباح لنا أن نغدرهم بمنزلة ما لو قتلوا رهننا فإنه لا يحل لنا أن نقتل رهنهم"[69]

"امان کے معاملے پر دھوکہ دینے کی رخصت نہیں ہے اگر شرائط طے کر لینے کے بعد وہ ایسا کریں تو دھوکہ دہی ان کی طرف سے ہوگی، اس کے باوجود ان کے ساتھ غداری کا معاملہ کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔ یہ معاملہ اس طرح کا ہے کہ اگر وہ ہمارے "رہن" شدہ بندوں کو قتل کر دیں تو ہمارے لئے جائز نہ ہوگا کہ ہم بھی ان کے رہن شدہ بندوں کو قتل کر دیں۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم السیر کے مذکورہ بالا قاعدے "الامر بیننا و بین الکفار مبنی علی المجازاۃ" کو اقوام متحدہ بھی تسلیم کر چکی ہے اور بین الاقوامی قانون (International Law) قرار دے چکی ہے کہ خود مختار ریاستوں کے باہمی تعلقات میں قاعدہ اور ضابطہ مساوات اور برابری ہے البتہ بین الاقوامی سطح پر مساوات اور برابری کا یہ پہلو قوت و اثر میں تو نظر نہیں آرہا لیکن مرتبے اور قانونی حق میں ضرور موجود ہے۔[70]

تیسرا قاعدہ:

"ان حرمۃ قتل المستامن من حق اللہ تعالی"[71]

"بے شک مستامن کے قتل کی حرمت اللہ تعالی کے حق میں سے ہے۔"

دلائل:

مستامن سے متعلق مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ قرآن مجید اور سنت کے حسب ذیل دلائل سے مستنبط شدہ ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

{ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰي يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ }[72]

"اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلام خدا سُننے لگے پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو۔"

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"من قتل نفسا معاهدا لم يرح رائحة الجنة وا ن ريحها ليوجد من مسيرة أربعين عاما"[73]

"جس نے کسی معاہد کو قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آرہی ہوگی۔"

تطبیقات:

ا۔ اسلام کے قانون سیر کی رو سے جب کوئی شخص اسلام قبول کرے تو اسے اللہ تعالی کی طرف سے جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اسی طرح اسلامی ریاست کی حدود میں امان لے کر داخل ہونے والے غیر مسلم کی جان کو اللہ تعالی کی طرف سے دی گئی شریعت کی رو سے تحفظ حاصل ہے۔ کسی مسلمان کے لئے غیر مسلم مستامن کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ امان کے حوالے سے یہ حکم قرآن مجید سے ثابت شدہ ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

{ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰي يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ }[74]

"اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلام خدا سُننے لگے پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو۔"

اس آیت مبارکہ میں مستامن کے لئے اسلامی ریاست (دار الاسلام) میں داخلے اور بحفاظت واپسی کا حکم واضح طور پر موجود ہے۔ امان ایک معاہدہ ہے جس کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

" من قتل نفسا معاهدا لم يرح رائحة الجنة وا ن ريحها ليوجد من مسيرة أربعين عاما "[75]

"جس نے کسی معاہد کو قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آرہی ہوگی۔"

امام شیبانیؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"فقد كان رسول الله ﷺ يكتب في كل عهد وفاء لا غدر فيه"[76]

"حضور اکرم ﷺ ہر معاہدے میں لکھا کرتے تھے کہ اس معاہدے میں وفاشعاری ہوگی دھوکا نہ ہوگا۔"

چوتھا قاعدہ:

"عبارة الرسول كعبارة المرسِل"[77]

"سفیر کی بات سفیر بھیجنے والے کی بات کی مانند ہے۔"

سفیر دو ملکوں اور قوموں کے درمیان تعلقات استوار کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے اسلئے اسلام کے قانون سیر میں وہ نہایت عزت و تکریم کا مستحق ہے۔مذکورہ بالا قاعدے کے مطابق سفیر کی طرف سے کیے جانے والے اقدامات اور معاہدات کی وہی حیثیت ہوگی جو اس کے بھیجنے والے کے اقدامات و معاہدات کی ہوتی ہے۔

دلائل:

سفیر سے متعلق مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ قرآن مجید اور سنت کے حسب ذیل دلائل سے مستنبط شدہ ہے۔

قرآن مجید میں اس کردار کی نظیر وہ آیات مبارکہ ہیں جن میں اللہ تعالی نے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ ﷺ کے افعال کو اپنے افعال قرار دیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

{ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا }[78]

"جو شخص رسول کی فرماں برداری کرے گا تو بیشک اس نے خدا کی فرماں برداری کی۔"

{ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ }[79]

"جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔"

قرآن مجید میں ملکہ سبا کے ان سفیروں کا بھی ذکر موجود ہے۔جو اس نے حضرت سلیمانؑ کے پاس تحفے دے کر بھیجے تھے۔جن کی بات چیت کو آپ نے ملکہ اور اس کی قوم کی بات قرار دیتے ہوئے اعلان جنگ کر دیا تھا۔اس سفارت کا ذکر کچھ یوں ہے:

{ وانِي مرسلَةٌ الَيهم بهديَّة فَنظرةٌ بم يرجع الْمرسلُون فَلَمَّا جاء سليمٰن قَالَ اَتُمدُّونن بمال فَما اٰتني الله خَير مِمَّآ اٰتكُم بلَ انتم بهَديَّتكُم تفرحون ارجع الَيهم فَلنَاتينَّهم بجنود لا قبل لهم بها ولَنُخرجنَّهم منها اذلَّة وَّهم صٰغرون }[80]

" اور میں اَنکی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔جب (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو گے۔ اس کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلے کی انکو طاقت نہ ہو گی اور انکو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔"

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جتنے بھی سفیر باہر سے آتے تھے آپ ﷺ ان سے بھیجنے والوں کا نمائندہ سمجھ کر بات کرتے تھے۔اپنے سفیروں کو دیگر ممالک کے بادشاہوں کی طرف اسی حیثیت سے بھیجا کرتے تھے۔السرخسیؒ (م۴۹۰ھ/۱۰۹۷ء) اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"أن النبي ﷺ كان مأمورا بالتبليغ إلى الناس كافة ثم كتب إلى ملوك الآفاق وأرسل إليهم من يدعوهم إلى دين الحق وكان ذلك تبليغا تاما منه ﷺ"[81] "نبی کریم ﷺ ساری انسانیت کی طرف تبلیغ کے لئے مامور تھے۔آپ ﷺ نے دنیا کے بادشاہوں کی طرف خطوط اور سفیر بھیج کر انھیں دین حق کی دعوت دی اس طرح یہ دعوت آپ ﷺ کی طرف سے تبلیغ تام ہو گئی۔"

تطبیقات:

۱۔ اگر سفیر دوران جنگ دشمن کے کسی ایک فرد یا پورے شہر کو امان دے دے تو وہ امان درست ہو گی اور اسے سربراہ مملکت کی امان تصور کیا جائے گا۔امام محمدؒ (م۱۸۹ھ/۸۰۵ء) لکھتے ہیں:

"فإذا أرسل أمير العسكر رسولا إلى أمير حصن في حاجة له فذهب الرسول وهو مسلم فلما بلغ الرسالة قال : إنه أرسل على لساني إليك الأمان لك ولأهل مملكتك فافتح البابوأتاه بكتاب افتعله على لسان الأمير أو قال ذلك قولا وحضر المقالة ناس من المسلمينفلما فتح الباب

دخل المسلمون وجعلوا يسبونفقال أمير الحصن : إن رسولكم أخبرنا أن أميركم أمننا وشهد أولئك المسلمون على مقالتهم فالقوم آمنون يرد عليهم ما أخذ منهم"[82]"اگر امیر لشکر کسی ضرورت کے لئے دشمن کے امیر قلعہ کی طرف اپنا مسلمان سفیر بھیجے۔وہ اگر یوں کہے کہ امیر نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تمھیں اور تمھاری رعایا کو امان ہے لہٰذا قلعہ کا دروازہ کھول دو اور امیر کی طرف سے جھوٹا خط بھی نکال کر دے یا زبانی ہی ایسی بات کرے جبکہ وہاں مسلمان بھی حاضر ہوں۔دروازہ کھلنے پر اسلامی فوج قلعے میں داخل ہو کر انھیں گرفتار کرے دوسری طرف امیر قلعہ دعوی کرے کہ ہمیں تمہارے سفیر نے خبر دی تھی کہ تمہارا امیر ہمیں امان دے چکا ہے اور گواہی کے طور پر ان مسلمانوں کو بھی پیش کر دے تو یہ سب لوگ مأمون قرار پائیں گے اور ان سے چھینا گیا مال واپس لوٹا یا جائے گا۔"

السرخسیؒ مذکورہ بالا عبارت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :"عبارة الرسول كعبارة المرسل فكان أمير العسكر أمنهم"[83]" قاعدہ ہے کہ سفیر کی بات بھیجنے والے کی بات ہوتی ہے گویا کہ امیر لشکر نے انہیں امان دی۔"

جہاں تک سفیر کے جھوٹ بولنے کا تعلق ہے تو یہ امیر لشکر کی ذمہ داری تھی کہ وہ سفارت کاری کے لئے ایسے جھوٹے شخص کا انتخاب ہی نہ کرتا۔جیسا کہ امام سرخسیؒ کا قول ہے :"الواجب على المرسل أن يختار لرسالته الأمين دون الخائن والصادق دون الكاذب"[84]"مرسل پر واجب ہے کہ وہ اپنی سفارت کے لئے خائن کی بجائے امین اور جھوٹے کی بجائے سچے آدمی کا انتخاب کرے۔"

۲۔ سفیر کے ایسے کردار جس سے دو ملکوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہوں،معاہدات ٹوٹیں اور تعلقات خراب ہو کر جنگ کی نوبت آجائے تو اسے سفیر کے منفی اور ناپسندیدہ کردار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ایسی صورت حال میں شرعی حکم یہ ہے کہ عجلت کا مظاہرہ نہ کیا جائے بلکہ صبر و تحمل کے ساتھ اصل صورت حال معلوم کی جائے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَــهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ}[85]"مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔"

اس آیت مبارکہ کے شان نزول کے متعلق روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بنو المصطلق سے صدقات لینے کے لئے سفیر بنا کر بھیجا۔بنو المصطلق کو خبر ہوئی تو وہ

خوشی سے رسول اللہ ﷺ کے سفیر کے استقبال کے لئے بستی سے باہر نکل آئے،ادھر ولید بن عقبہ نے لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر سمجھا کہ شاید وہ انہیں مارنے یا قتل کرنے کے لئے نکلے ہیں اس لئے وہ راستے سے ہی واپس لوٹ آیا اور آکر رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع دی کہ بنوالمصطلق مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے صدقات دینے سے انکار کر دیا ہے۔یہ خبر سن کر رسول اللہ ﷺ کو تشویش لاحق ہوئی اور ان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔اسی دوران بنوالمصطلق کو بھی یہ خبر پہنچ گئی تو انہوں نے فوراایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا جنہوں نے اصل صورت حال واضح کی۔[86]

امام محمدؒ اس مسئلے کے تناظر میں لکھتے ہیں:

"ولو جاء رسول أميرهم بكتاب مختوم إلى أمير العسكر : إني قد ناقضتك العهد فليس ينبغي للمسلمين أن يعجلوا حتى يعلموا حقيقة ذلك لأن الكتاب محتمل"[87]"اگر امیر لشکر کے پاس دشمن کا سفیر سر بمہر خط لائے جس میں یہ لکھا ہو کہ ہم نے تجھ سے کیا ہوامعاہدہ توڑ دیا ہے تو ایسی صورت میں اصل حقائق معلوم ہونے تک مسلمانوں کے لئے عجلت کا مظاہرہ کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ خط کے غلط ہونے کا احتمال موجود ہے"

الغرض اسلام کے بین الاقوامی سفارتی نظام میں دو ملکوں کے درمیان تعلقات استوار کرتے وقت دشمن ملک کے سفیر کی ہر بات کو اس کے بھیجنے والے کی بات سمجھ کر تسلیم کیا جاتا ہے تاہم اگر وہ تعلقات منقطع کرنے کی بات کرے تو پھر اصل حقائق معلوم ہونے تک اس کی بات کو تسلیم کرنا درست اقدام نہیں ہو گا۔

خاتمۂ بحث:

☆ لغت میں قاعدہ کے معنی اساس اور بنیاد کے ہیں جس کی جمع قواعد ہے۔ جبکہ فقہی اصطلاح میں قواعد کلیہ وہ فقہی اصول ہیں جنہیں مختصر قانونی زبان میں اس طرح مرتب کیا گیا ہو کہ ان میں اپنے موضوع سے متعلقہ آنے والے تمام شرعی احکام شامل ہوں۔

☆ قواعد کلیہ سے فقہ کی فہم اور شریعت اسلامیہ کے اسرار اور رموز کا علم حاصل ہوتا ہے۔ قواعد کلیہ کو یاد کرنے والے علماء کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے۔اس کے ازبر ہونے سے کثیر تعداد میں جزئیات یاد کرنے سے نجات مل جاتی ہے۔

☆ اسلامی ریاست میں ذمی کو جان، مال، عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری کی یقین دہانی کرائی گئی ہے بلکہ ان سے سماجی تعلقات رکھنے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

☆ مسلمانوں اور کفار کے درمیان تعلقات برابری اور مساوات کی بنیاد پر قائم ہوں گے جس میں تجارتی اور سفارتی تعلقات وغیرہ شامل ہیں۔

☆ مستامن یعنی امان لے کر اسلامی ملک میں آنے والے شخص کو اسلامی شریعت جان، مال، عزت اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے۔

☆ سفراء ملکوں اور قوموں کے درمیان تعلقات استوار کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں اسلئے اسلام کے قانون بین الممالک میں وہ بہت عزت وتکریم کے مستحق قرار پاتے ہیں اور انکی بات کو بھیجنے والے کی بات سمجھا جاتا ہے۔

☆ ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ حالات میں علم السیر کے متعلق حالت امن کے قواعد کلیہ کے حوالے سے جامع ومانع کام کر کے ایک کتاب چھاپی جائے۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ الزرکشی، بدر الدین، محمد بن بہادر بن عبد اللہ، ابی عبد اللہ (م ۷۹۴ھ / ۱۳۹۲ء) المنثور فی القواعد، تحقیق تیسیر فائق احمد محمود، کویت، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، ۱۴۰۵ھ، ۱ / ۶۹

2۔ السیوطی، عبد الرحمان بن ابی بکر، جلال الدین، (م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) الاشباہ والنظائر، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۳ھ، ص ۶، (ترقیم الشاملۃ)

3. البخاری، محمد بن اسماعیل،(م۲۵۶ھ/۸۷۰ء)الجامع الصحیح،بیروت، دار ابن کثیر،۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء،کتاب العلم،۱/۳۹،ح ۷۱؛ ترمذی ، محمد بن عیسی، ابو عیسی،(م۲۷۹ھ/۸۹۲ء)سنن الترمذی، تحقیق احمد محمد شاکر، بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی، س۔ن، کتاب العلم، باب اذا اراد اللہ بعبد خیر افقهہ فی الدین،۵/۲۸،ح ۲۶۴۵
4. القرافی، احمد بن ادریس الصنھاجی، شہاب الدین،(م۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء)الفروق أو انوار البروق فی انواء الفروق، تحقیق خلیل المنصور، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ،۱۴۰۸ھ،۱/۶۔۸
5. القرافی، احمد ادریس الصنھاجی، الذخیرۃ، تحقیق محمد حجی، بیروت، لبنان، دار الغرب، ۱۹۹۴ء،۱/۵۵
6. السیوطی، الاشباہ والنظائر، ص۶
7. مجلۃ الاحکام العدلیۃ، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، س۔ن، م/۱، ص۱۶
8. الراغب الاصفہانی، الحسین بن محمد، ابی القاسم،(م۵۰۲ھ/۱۱۰۹ء)مفردات القرآن اردو، ترجمہ مولانا محمد عبدہ، لاہور، شیخ شمس الحق، س۔ن، مادہ ق ع د، ص۲/۸۶۱
9. الزبیدی، محمد مرتضی الحسینی، السید، تاج العروس من جواہر القاموس، تحقیق مجموعہ من المحققین، دار الھدایۃ، س۔ن،۹/۶۰
10. ابن منظور، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان،۱۹۸۸ء،۳/۳۵۷
11. القرآن، البقرہ۲: ۱۲۷
12. القرآن، النحل۱۶ :۲۶
13. الجرجانی، علی بن محمد الشریف،(م۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء)التعریفات، لاہور، مکتبہ حقانیہ، ص۱۲۱
14. تفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ،(م۷۹۳ھ/۱۳۹۰ء)التلویح الی کشف حقائق التنقیح علی التوضیح، بیروت، دار الکتب العلمیۃ،۱۴۱۶ھ،۱/۳۵
15. تھانوی، محمد اعلی بن علی ،(م ۱۱۵۸ھ) کشاف اصطلاحات الفنون، بیروت ، لبنان، مکتبہ لبنان ناشرون، ۱۹۹۶ء،۲/۴۴۴۔۴۴۶
16. غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر،۱/۶۳
17. علی حیدر، درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام، بیروت، دار صادر، س۔ن،۱/۱۷

18- سبکی، تاج الدین، عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافی، (م ۷۷۱ھ/۱۳۶۹ء) الاشباہ والنظائر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ، ۱/۲۱

19- Black's Law Dictionary, Bryen A Garner, West, Eight Edition, 1999, p: 1000

20- الزرقاء، مصطفی احمد، (م ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) المدخل الفقہی العام، بیروت، دار الفکر، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء، ۲/۹۴۷

21- تفصیل کے لئے دیکھیے:

Dr.HamidullahMuhammad,TheMuslim Conductof State, Sh. Ashraf, Lahore,p.9

22- الراغب الاصفہانی، مفردات القرآن اردو، مادہ س ی ر، ۱/۵۱۰

23- القرآن، طہ ۲۰ :۲۱

24- ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد (م ۶۸۱ھ) شرح فتح القدیر، بیروت، لبنان، دار الفکر، س۔ن، ۵/۴۳۴

25- الجرجانی، التعریفات، ص۸۹؛ قلعہ جی، محمد رواس، ڈاکٹر، معجم لغۃ الفقہاء، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، س۔ن، ص۲۵۳ ؛الرازی، محمد بن ابی بکر بن عبد القادر، (م۶۶۶ھ/۱۲۶۸ء) مختار الصحاح، تحقیق محمود خاطر، بیروت، مکتبہ لبنان ناشرون ،۱۴۱۵ھ، ص۳۲۶

26- ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، ابو محمد، (م ۲۱۳ھ/۸۲۸ء) السیرۃ النبویۃ، تحقیق طہ عبد الرؤف سعد، بیروت، دار الجیل، ۱۴۱۱ھ، ۶/۴۴

27- ابن حبیب، محمد، (م ۲۴۵ھ/۸۵۹ء)، کتاب المحبر، حیدرآباد، دکن، س۔ن، ص۲۵۶

28- الھیثمی، نور الدین، علی بن ابی بکر (م۸۰۷ھ/۱۴۰۵ء) مجمع الزوائد ومنبع الفرائد، بیروت، لبنان، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ، ۵/۳۲۱

29- السرخسی کا نام ابو بکر احمد بن ابی سھل، شمس الائمہ کے نام سے معروف ہیں۔ خراسان میں پیدا ہوئے۔ فقہ حنفی کے بہت بڑے فقیہہ، اصولی، متکلم، محدث، مناظر اور مجتہد تھے۔ آپکی تصنیفات میں "المبسوط، شرح سیر الکبیر" وغیرہ زیادہ مشہور ہیں (الزرکلی، خیر

الدین(م۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)الاعلام قاموس تراجم لاشہر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین،بیروت،لبنان،دار العلم للملایین،۲۰۰۲ء،۵/۳۱۵)

30۔ السرخسی،شمس الدین،احمد بن ابی سھل،ابی بکر(م ۴۹۰ھ/۱۰۹۷ء)المبسوط،بیروت،دار المعرفۃ،۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء،۱۰/۲

31۔ غازی،محمود احمد ڈاکٹر،خطبات بہاولپور(۲)اسلام کا قانون بین الممالک،اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی،۲۰۰۷ء، ص۶۰

32۔ حمید اللہ محمد، ڈاکٹر(۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء)خطبات بہاولپور،اسلام آباد،ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۰ء،ص۱۲۶، پیرہ۱۳۸

33۔ دیکھیے:
Dr.Hamidullah The Muslim Conduct of State,p-3

34۔ دیکھیے:
Dr.Hamidullah The Muslim Conduct of State,p.2-3

35۔ السرخسی،محمد بن احمد بن ابی سہیل،ابی بکر،(م۴۹۰ھ/۱۰۹۷ء)شرح السیر الکبیر، تحقیق ابی عبد اللہ محمد حسن اسماعیل،بیروت،دار الکتب العلمیہ،۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء،۱/۲۳۹

36۔ الجرجانی ،علی بن محمد بن شریف(م۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء)التعریفات،ملتان،مکتبہ حقانیہ،س۔ن،ص ۷۸؛ قلعہ جی، محمد رواس،ڈاکٹر، معجم لغۃ الفقہاء،کراچی،ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، س۔ن، ص۲۱۴

37۔ الرازی،محمد بن ابی بکر بن عبد القادر،(م۶۶۶ھ/۱۲۶۸ء)مختار الصحاح، تحقیق محمود خاطر، بیروت، مکتبہ لبنان ناشرون،۱۴۱۵ھ،ص۲۲۶

38۔ قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء،ص۲۱۴

39۔ القرآن،التوبۃ۹: ۲۹

40۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع،ابو عبد اللہ الذھری،(م۲۳۰ھ/۸۴۵ء)الطبقات الکبری، تحقیق احسان عباس، بیروت،۱۹۶۸ء،۱/۲۷۸؛حمید اللہ ، محمد،ڈاکٹر(۱۴۲۴ھ/۲۰۰۱ء) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ،بیروت،دار النفائس،۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء،۱/۹۸

41. ان کی ایک شرط منظور ہوئی تھی کہ ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا جس کے بدلے میں وہ زکوۃ سے دوگنا ٹیکس ادا کریں گے۔(السرخسی، المبسوط، ۲/۱۷۹)

42. القرآن، المآئدہ ۵: ۳۲

43. القرآن، المآئدہ ۵: ۴۵

44. القرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، ابو عبد اللہ (م ۶۷۱ھ/۱۲۷۳ء) الجامع لاحکام القرآن، تحقیق سمیر البخاری، ریاض، دار عالم الکتب، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء، ۲/۲۴۶

45. النسائی، احمد بن شعیب، ابو عبد الرحمن، (م ۳۰۳ھ/۹۱۵ء) السنن، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، کتاب القسامۃ، باب تعظیم قتل المعاہد، ۵/۲۲۵، ح ۸۷۴۲

46. الشافعی، محمد بن ادریس، ابو عبد اللہ، (م ۲۰۴ھ/۸۱۹ء) المسند، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، س۔ن، کتاب الدیات والقصاص، ص ۳۴۳، ح ۱۵۸۴

47. الشافعی، المسند، ص ۳۴۴، ح ۱۵۸۵؛ الزیلعی، عبد اللہبنیوسف الحنفی، (م ۷۶۲ھ/۱۳۶۱ء) نصب الرایہ، تحقیق محمد عوامہ، بیروت، مکتبۃ الریان للطباعۃ والنشر، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ۴/۳۳۷

48. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم الانصاری (م ۱۸۲ھ/۷۹۸ھ) کتاب الخراج، تحقیق عبد الرؤف سعد، قاہرہ، المکتبۃ الازہریۃ للتراث، س۔ن، ص ۱۳۹

49. ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸/۳۳۷

50. ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد المقدسی، (م ۶۲۰ھ/۱۲۲۳ء) المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل، بیروت، لبنان، دار الفکر، ۱۴۰۵ھ، ۱۲/۳۲۰

51. السرخسی، المبسوط، ۲۶/۱۳۲؛ ابن نجیم، البحر الرائق، ۸/۳۳۷

52. الحصکفی، محمد بن علی بن محمد الحصینی، علاؤ الدین (م ۱۰۸۸ھ/۱۶۷۷ء) الدر المختار، ۴/۱۷۰

53. المرغینانی، علی بن ابی بکر، ابو الحسن، (م ۵۹۳ھ/۱۱۹۷ء) الھدایہ شرح بدایۃ المبتدی، لبنان، بیروت، المکتبۃ الاسلامیہ، س۔ن، ۲/۱۰۳

54. القرآن، الممتحنہ ۶۰: ۸

55. البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الھبۃ وفضلھا، باب الھدیۃ للمشرکین، ۲/۹۲۴، ح ۲۴۷۷

56. تالیف قلب کے لئے کفار کو مال دینے کے حوالے سے اگرچہ علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے لیکن وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اگر امام مناسب سمجھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک امام کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔(الترمذی، محمد بن عیسی، ابو عیسی، (م ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) الجامع الصحیح، تحقیق احمد محمد شاکر، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س۔ن، ۳/۵۳)

57. السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۵/۲۸۵

58. الراغب الاصفہانی، مفردات القرآن اردو، ترجمہ مولانا محمد عبدہ، مادہ ج ز ی، ۱/۱۸۲

59. القرآن، الدھر ۷۶: ۱۲

60. القرآن، الشوری ۴۲: ۴۰

61. السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۵/۲۸۶

62. القرآن، البقرۃ ۲: ۱۹۰

63. القرآن، البقرۃ ۲: ۱۹۴

64. القرآن، الانفال ۸: ۶۱

65. القرآن، الممتحنہ ۶۰: ۸۰

66. دیکھیے:

Openheim's, Internationa lLaw, Longmans, Green and Co.London, 1952, vol.1, p.238

67. السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۵/۲۸۵

68. السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۵/۲۸۷ ۔۲۸۶؛ المرغینانی، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، ۱/۱۰۶؛ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، (م ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء) رد المحتار علی الدر المختار، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء، ۲/۳۱۴؛ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، (م ۹۷۰ھ/۱۵۶۳ء) البحر الرائق شرح کنز الدقائق، بیروت، لبنان، دار المعرفۃ، س۔ن، ۲/۲۵۰

69. السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۵/۶۹

70. تفصیل کے لئے دیکھیے:

Openheim's, International Law,vol.1 ,p.238

71۔ السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۲/ ۴۸

72۔ القرآن، التوبہ۹: ٦

73۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب اثم من قتل معاہدا بغیر جرم، ۳/ ۱۱۵۵، ح ۲۹۹۵

74۔ القرآن، التوبہ۹: ٦

75۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب اثم من قتل معاہدا بغیر جرم، ۳/ ۱۱۵۵، ح ۲۹۹۵

76۔ السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۴/ ۲۵۲

77۔ السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۲/ ۴۳، ۲/ ۱۱۱

78۔ القرآن، النساء۴: ۸۰

79۔ القرآن، النساء۴۸: ۱۰

80۔ القرآن، النمل۲۷: ۳۵۔۳۷

81۔ السرخسی، المبسوط، ۲۵/ ۳۱؛ شرح السیر الکبیر، ۱/ ۲۵۱

82۔ الشیبانی، السیر الکبیر، ۲/ ۴۳۔۴۴

83۔ السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۲/ ۴۳

84۔ السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۲/ ۴۳

85۔ القرآن، الحجرات۴۹: ٦

86۔ الطبری، محمد بن جریر بن یزید، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، تحقیق احمد محمد شاکر، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء، ۲۲/ ۲۸٦

87۔ السرخسی، شرح السیر الکبیر، ۲/ ۴۷